باب (۱۱)

اسراء و معراج
(۴)

معراج کا ایک اور رُخ اس سلسلۂ بیان میں معراج کا ایک اور رُخ بھی قارئین کے سامنے پیش کر دینا مناسب ہوگا جس سے اُن بہت سے سوالوں کا جواب مل جائے گا جو معراج کی کیفیات کا مطالعہ کرتے ہوئے ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

جبریلؑ سے حضورؐ کی پہلی ملاقات زمین پر قرآن مجید، سورۂ نجم میں پہلے جبریل علیہ السلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس ملاقات کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ وہ اپنی اصلی صورت میں پہلی مرتبہ اُفق پر نظر آئے اور پھر قریب قریب ہوتے ہوتے اس قدر قریب ہو گئے کہ آپ کے اور ان کے درمیان دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا اور اُس وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پہنچائی۔ یہ ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۔ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى (النجم - ۱۱ - ۱۲)

نظر نے جو کچھ دیکھا، دل نے اس میں جھوٹ نہ ملایا۔ اب کیا تم اُس چیز پر اُس سے جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے؟

یعنی یہ مُشاہدہ جو دن کی روشنی میں اور پوری بیداری کی حالت میں کھُلی آنکھوں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا، اس پر اُن کے دل نے یہ نہیں کہا کہ یہ نظر کا دھوکا ہے، یا یہ کوئی جن یا شیطان ہے جو مجھے نظر آرہا ہے، یا میرے سامنے کوئی خیالی صورت آگئی ہے اور میں جاگتے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں، بلکہ ان کے دل نے ٹھیک ٹھیک وہی کچھ سمجھا جو اُن کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ انہیں اس امر میں کوئی شک لاحق نہیں ہوا کہ فی الواقع یہ جبریلؑ ہیں اور جو پیغام یہ پہنچا رہے ہیں وہ واقعی خدا کی طرف سے وحی ہے۔

ایسے غیر معمولی مشاہدات پر حضورؐ کے کسی شک میں مبتلا نہ ہونے کے وجوہ

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ بات کیا ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے عجیب اور غیر معمولی مشاہدے کے بارے میں قطعاً کوئی شک لاحق نہ ہوا اور آپ نے پورے یقین کے ساتھ جان لیا کہ آپ کی آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں وہ واقعی حقیقت ہے، کوئی خیالی ہیولیٰ نہیں ہے، اور کوئی جن یا شیطان بھی نہیں ہے؟ اس سوال پر جب ہم غور کرتے ہیں تو اس کے پانچ وجوہ ہماری سمجھ میں آتے ہیں:

ایک یہ کہ وہ خارجی حالات جن میں مشاہدہ ہوا تھا، اُس کی صحت کا یقین دلانے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشاہدہ اندھیرے میں، یا مراقبے کی حالت میں، یا خواب میں، یا نیم بیداری کی حالت میں نہیں ہوا تھا، بلکہ صبحِ روشن طلوع ہو چکی تھی، آپؐ پوری طرح بیدار تھے، کھلی فضا میں اور دن کی پوری روشنی میں اپنی آنکھوں سے یہ منظر ٹھیک اُسی طرح دیکھ رہے تھے جس طرح کوئی شخص دُنیا کے دوسرے مناظر دیکھتا ہے۔ اس میں اگر شک کی گنجائش ہو تو ہم دن کے وقت دریا، پہاڑ، آدمی، مکان، غرض جو کچھ بھی دیکھتے ہیں وہ سب بھی پھر مشکوک اور محض نظر کا دھوکا ہی ہو سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ آپ کی اپنی داخلی حالت بھی اُس کی صحت کا یقین دلانے والی تھی۔ آپ پوری طرح اپنے ہوش و حواس میں تھے۔ پہلے سے آپؐ کے ذہن میں اِس طرح کا سرے سے کوئی خیال نہ تھا کہ آپ کو ایسا کوئی مشاہدہ ہونا چاہیے یا ہونے والا ہے۔ ذہن اِس فکر اور اِس کی تلاش سے بالکل خالی تھا۔ اور اِس حالت میں اچانک آپؐ کو اِس معاملہ سے سابقہ پیش آیا۔ اِس پر یہ شک کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی کہ آنکھیں کسی حقیقی منظر کو نہیں دیکھ رہی ہیں بلکہ ایک خیالی ہیولیٰ سامنے آگیا ہے۔

تیسرے یہ کہ جو ہستی اِن حالات میں آپؐ کے سامنے آئی تھی وہ ایسی عظیم، ایسی شاندار، ایسی حسین اور اس قدر منوّر تھی کہ نہ آپؐ کے وہم و خیال میں کبھی اس سے پہلے ایسی ہستی کا تصور آیا تھا جس کی وجہ سے آپؐ کو گمان ہوتا کہ وہ آپؐ کے اپنے خیال کی آفریدہ ہے، اور نہ کوئی جن یا شیطان اس شان کا ہو سکتا ہے کہ آپؐ اُسے فرشتے کے سوا کچھ اور سمجھتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "میں نے جبریلؑ کو اس صورت میں دیکھا کہ اُن کے چھ سو بازو تھے" (مسند احمد)۔ ایک دوسری روایت میں ابن مسعودؓ مزید تشریح کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام کا ایک ایک بازو اتنا عظیم تھا کہ اُفق پر چھایا ہوا نظر آتا تھا (مسند احمد)۔ اللہ تعالیٰ خود اُن کی شان کو شَدِیْدُ الْقُوٰی (زبردست قوت والا) اور

ذُو مِرَّةٍ (نہایت حسین اور شاندار) کے الفاظ میں بیان فرمارہا ہے۔

چوتھے یہ کہ جو تعلیم وہ ہستی دے رہی تھی وہ بھی اِس مشاہدے کی صحت کا اطمینان دلانے والی تھی۔ اُس کے ذریعے سے اچانک جو علم، اور تمام کائنات کے حقائق پر حاوی علم آپؐ کو ملا اُس کا تصور پہلے سے آپؐ کے ذہن میں نہ تھا کہ آپؐ اُس پر یہ شبہ کرتے کہ یہ میرے ہی خیالات ہیں جو مرتّب ہو کر میرے سامنے آ گئے ہیں۔ اِسی طرح اُس علم پر یہ شک کرنے کی بھی کوئی گنجائش نہ تھی کہ شیطان اِس شکل میں آکر آپ کو دھوکا دے رہا ہے۔ کیونکہ شیطان کا یہ کام آخر کب ہو سکتا ہے اور کب اُس نے یہ کام کیا ہے کہ انسان کو شرک و بت پرستی کے خلاف توحیدِ خالص کی تعلیم دے؟ آخرت کی بازپُرس سے خبردار کرے؟ جاہلیت اور اس کے طور طریقوں سے بیزار کرے؟ فضائلِ اخلاق کی طرف دعوت دے؟ اور ایک شخص سے یہ کہے کہ نہ صرف تو خود اس تعلیم کو قبول کر بلکہ ساری دنیا سے شرک اور ظلم اور فسق و فجور کو مٹانے اور اِن بُرائیوں کی جگہ توحید اور عدل اور تقویٰ کی بھلائیاں قائم کرنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہو؟

پانچویں اور سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کو اپنی نبوت کے لیے چُن لیتا ہے تو اُس کے دل کو شکوک و شبہات اور وَساوِس سے پاک کر کے یقین و اِذعان سے بھر دیتا ہے۔ اِس حالت میں اُس کی آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں، اور اس کے کان جو کچھ سُنتے ہیں، اُس کی صحت کے متعلق کوئی ادنیٰ سا تردُّد بھی اُس کے ذہن میں پیدا نہیں ہوتا۔ وہ پورے شرحِ صدر کے ساتھ ہر اُس حقیقت کو قبول کر لیتا ہے جو اُس کے رب کی طرف سے اس پر منکشف کی جاتی ہے، خواہ وہ کسی مشاہدے کی شکل میں ہو جو اُسے آنکھوں سے دکھایا جائے، یا الہامی علم کی شکل میں ہو جو اُس کے دل میں ڈالا جائے، یا پیغامِ وحی کی شکل میں ہو جو اس کو لفظ بلفظ سنایا جائے۔ اِن تمام صورتوں میں پیغمبر کو اِس امر کا پورا شعور ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی شیطانی مداخلت سے قطعی محفوظ و مامون ہے اور جو کچھ بھی اُس تک کسی شکل میں پہنچ رہا ہے وہ ٹھیک ٹھیک اُس کے رب کی طرف سے ہے۔ تمام خداداد احساسات کی طرح پیغمبر کا یہ شعور و احساس بھی ایک ایسی یقینی چیز ہے جس میں غلط فہمی کا کوئی امکان نہیں۔ جس طرح مچھلی کو اپنے تیراک ہونے کا، پرندے کو اپنے پرندہ ہونے کا، اور انسان کو اپنے انسان ہونے کا احساس بالکل خداداد ہوتا ہے اور اس میں غلط فہمی کا کوئی شائبہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح پیغمبر کو اپنے پیغمبر ہونے کا احساس بھی خداداد ہوتا ہے، اُس کے دل میں کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی یہ وسوسہ نہیں آتا کہ شاید اُسے پیغمبر ہونے کی غلط فہمی لاحق

ہو گئی ہے۔

جبریل ؑ سے دوسری ملاقات سدرۃ المنتہیٰ پر | اس کے بعد اسی سورت میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۙ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۙ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۙ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۔ (النجم - آیات ۱۳ تا ۱۸)

اور ایک مرتبہ پھر اُس نے سِدْرَۃُ الْمُنْتَہٰی کے پاس اُس کو دیکھا جہاں پاس ہی جنّت الماویٰ ہے۔ اُس وقت سِدْرَہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ نگاہ نہ چُندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی۔ اور اُس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

یہ جبریل علیہ السّلام سے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دوسری ملاقات کا ذکر ہے جس میں وہ آپ کے سامنے اپنی اصلی صورت میں نمودار ہوئے۔ اس ملاقات کا مقام "سِدْرَۃُ الْمُنْتَہٰی" بتایا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا گیا ہے کہ اس کے قریب "جَنَّۃُ الْمَاْوٰی" واقع ہے۔

سِدْرَۃُ الْمُنْتَہٰی | سِدْرَہ عربی زبان میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں، اور مُنْتَہٰی کے معنی ہیں آخری سرا۔ "سِدْرَۃُ الْمُنْتَہٰی" کے لغوی معنی ہیں "وہ بیری کا درخت جو آخری یا انتہائی سرے پر واقع ہے"۔ علامہ آلوسیؒ نے رُوح المعانی میں اس کی تشریح یہ کی ہے کہ الیہا ینتھی علمُ کل عالمٍ وما وراءھا لایعلمہ اِلَّا اللہ۔ "اس پر ہر عالِم کا علم ختم ہو جاتا ہے، آگے جو کچھ ہے اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔ قریب قریب یہی تشریح ابن جریر نے اپنی تفسیر میں، اور ابن اَثیر نے النّہایَۃ فی غریبِ الحدیثِ وَالْاَثَر میں کی ہے۔ ہمارے لیے یہ جاننا مشکل ہے کہ اس عالَمِ مادّی کی آخری سرحد پر وہ بیری کا درخت کیسا ہے اور اس کی حقیقی نوعیت و کیفیت کیا ہے۔ یہ کائناتِ خداوندی کے وہ اسرار ہیں جن تک ہمارے فہم کی رسائی نہیں ہے۔ بہرحال وہ کوئی ایسی ہی چیز ہے جس کے لیے انسانی زبان کے الفاظ میں "سدرہ" سے زیادہ موزوں لفظ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور کوئی نہ تھا۔

جنّتُ الماویٰ | جنّت الماویٰ کے لغوی معنی ہیں "وہ جنت جو قیام گاہ بنے"۔ حضرت حسنؒ بصری کہتے ہیں کہ یہ وہی جنت ہے جو آخرت میں اہلِ ایمان و تقویٰ کو ملنے والی ہے، اور اسی آیت سے انہوں نے استدلال کیا ہے کہ وہ جنت آسمان میں ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہ وہ جنّت ہے جس میں شہداء کی ارواح رکھی جاتی

ہیں۔ اس سے مراد وہ جنت نہیں ہے جو آخرت میں ملنے والی ہے۔ ابن عباسؓ بھی یہی کہتے ہیں اور اس پر وہ یہ اضافہ کرتے ہیں کہ آخرت میں جو جنت اہلِ ایمان کو دی جائے گی وہ آسمان میں نہیں ہے بلکہ اُس کی جگہ یہی زمین ہے۔

سدرہ پر تجلیاتِ خداوندی اور یہ ارشاد کہ "اُس وقت سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا" اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی شان اور اس کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ وہ ایسی تجلیات تھیں کہ نہ انسان ان کا تصور کر سکتا ہے اور نہ کوئی انسانی زبان اس کے وصف کی متحمل ہے۔

حضورؐ کا کمالِ ضبط و تحمل پھر حضورؐ کی تعریف میں فرمایا گیا کہ نہ آپ کی نگاہ اُن تجلیات کو دیکھ کر چندھیائی، نہ حد سے متجاوز ہوئی۔ یعنی ایک طرف تو آپؐ کے کمالِ تحمل کا حال یہ تھا کہ ایسی زبردست تجلیات کے سامنے بھی آپ کی نگاہ میں کوئی چکاچوند پیدا نہ ہوئی اور آپ پورے سکون کے ساتھ ان کو دیکھتے رہے۔ دوسری طرف آپ کے ضبط اور یکسوئی کا کمال یہ تھا کہ جس مقصد کے لیے آپ کو بلایا گیا تھا اُسی پر آپ اپنے ذہن اور اپنی نگاہ کو مرکوز کیے رہے اور جو حیرت انگیز مناظر وہاں تھے ان کو دیکھنے کے لیے آپ نے ایک تماشائی کی طرح ہر طرف نگاہیں دوڑانی نہ شروع کر دیں۔ اِس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو ایک عظیم وجلیل بادشاہ کے دربار میں حاضری کا موقع ملتا ہے اور وہاں وہ کچھ شان و شوکت اس کے سامنے آتی ہے کہ جو اُس کی چشمِ تصوّر نے بھی کبھی نہ دیکھی تھی۔ اب اگر وہ شخص کم ظرف ہو تو وہاں پہنچ کر بھونچکا رہ جائے گا، اور اگر آدابِ حضوری سے ناآشنا ہو تو مقامِ شاہی سے غافل ہو کر دربار کی سجاوٹ کا نظارہ کرنے کے لیے ہر طرف مڑ مڑ کر دیکھنے لگے گا۔ لیکن ایک عالی ظرف، ادب آشنا اور فرض شناس آدمی نہ تو وہاں پہنچ کر مبہوت ہوگا اور نہ دربار کا تماشا دیکھنے میں مشغول ہو جائے گا، بلکہ وہ پورے وقار کے ساتھ حاضر ہوگا اور اپنی ساری توجہ اُس مقصد پر مرتکز رکھے گا جس کے لیے دربارِ شاہی میں اس کو طلب کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی خوبی ہے جس کی تعریف اس آیت میں کی گئی ہے۔

کیا حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا؟ آخری آیت میں فرمایا کہ آپؐ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں یہ آیت اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں بلکہ اُس کی عظیم الشان آیات (نشانیوں) کو دیکھا تھا، اور چونکہ سیاق و سباق کی رو سے یہ دوسری ملاقات بھی اُسی ہستی سے ہوئی تھی جس سے پہلی ملاقات ہوئی، اس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ اُفقِ اعلیٰ پر جس کو آپؐ

نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا، اور جو قریب آتے آتے بس دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلے پر آگیا تھا، وہ بھی اللہ نہ تھا، اور دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہی کے پاس جس کو دیکھا وہ بھی اللہ نہ تھا۔ اگر آپؐ نے اِن مواقع میں سے کسی موقع پر بھی اللہ جلّ شانہٗ کو دیکھا ہوتا تو یہ اِتنی بڑی بات تھی کہ یہاں ضرور اُس کی تصریح کر دی جاتی۔ حضرت موسیٰؑ کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی درخواست کی تھی اور انہیں جواب دیا گیا تھا کہ لَنْ تَرٰىنِیْ "تم مجھے نہیں دیکھ سکتے" (الاعراف۔۱۴۳)۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اگر یہ شرف، جو حضرت موسیٰؑ کو عطا نہیں کیا گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیا جاتا، تو اس کی اہمیت خود ایسی تھی کہ اُسے صاف الفاظ میں بیان کر دیا جاتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ حضورؐ نے اپنے رب کو دیکھا تھا، بلکہ واقعۂ معراج کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ بنی اسرائیل میں بھی یہ ارشاد ہوا ہے کہ ہم اپنے بندے کو اس لیے لے گئے تھے کہ "اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں" (لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا)، اور یہاں سدرۃ المنتہی پر حاضری کے سلسلے میں بھی یہ فرمایا گیا ہے کہ "اس نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں (لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى)۔

اِن وجوہ سے بظاہر اِس بحث کی کوئی گنجائش نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن دونوں مواقع پر اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا یا جبریل علیہ السلام کو؟ لیکن جس وجہ سے یہ بحث پیدا ہوئی وہ یہ ہے کہ اس مسئلے پر احادیث کی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم ترتیب وار اُن احادیث کو درج کرتے ہیں جو اِس سلسلے میں مختلف صحابہ سے منقول ہوئی ہیں۔

حضرت عائشہؓ کی روایات بخاری، کتاب التفسیر میں حضرت مَسْروق کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا "اماں جان، کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟" انہوں نے جواب دیا "تمہاری اِس بات سے میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ تم یہ کیسے بھول گئے کہ تین باتیں ایسی ہیں جن کا اگر کوئی شخص دعویٰ کرے تو جھوٹا دعویٰ کرے گا؟" (اُن میں سے پہلی بات حضرت عائشہؓ نے یہ فرمائی کہ) "جو شخص تم سے یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا وہ جھوٹ کہتا ہے۔" پھر حضرت عائشہؓ نے یہ آیتیں پڑھیں، لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (نگاہیں اُس کو نہیں پا سکتیں)، اور وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ (کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر یا تو وحی کے طور پر، یا پردے کے پیچھے سے،

یا یہ کہ ایک فرشتہ بھیجے اور وہ اس پر اللہ کے اذن سے وحی کرے جو کچھ وہ چاہے)۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا "لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ اُن کی اصلی صورت میں دیکھا تھا"۔

اِس حدیث کا ایک حصّہ بخاری، کتاب التوحید، باب ۴ میں بھی ہے۔ اور کتاب بدءُ الخلق میں مسروق کی جو روایت امام بخاری نے نقل کی ہے اس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ کی یہ بات سن کر عرض کیا کہ پھر اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد کا کیا مطلب ہوگا ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی؟ اِس پر انہوں نے فرمایا "اس سے مراد جبریلؑ ہیں۔ وہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انسانی شکل میں آیا کرتے تھے، مگر اِس موقع پر وہ اپنی اصلی شکل میں آپ کے پاس آئے اور سارا اُفق اُن سے بھر گیا"۔

مسلم، کتاب الایمان، باب فی ذکر سدرة المنتہٰی میں حضرت عائشہؓ سے مسروق کی یہ گفتگو زیادہ تفصیل کے ساتھ نقل ہوئی ہے اور اِس کا سب سے اہم حصّہ یہ ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا "جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا وہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا افترا کرتا ہے"۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ یہ بات سُن کر میں اُٹھ بیٹھا اور میں نے عرض کیا "ام المومنین، جلدی نہ فرمایئے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ؟ اور وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى؟" حضرت عائشہؓ نے جواب دیا اِس اُمت میں سب سے پہلے میں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس معاملے کو دریافت کیا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا اِنَّمَا هُوَ جبريل عليه السلام، لَمْ اَرَهُ عَلٰی صورتِهِ الّتی خلق عليها غيرها تين المرتين، رأيته منهبطا من السماء سادًّا عظم خلقه ما بين السماء والارض۔ "وہ تو جبریل علیہ السلام تھے۔ میں نے اُن کو اُن کی اُس اصلی صورت میں جس پر اللہ نے اُن کو پیدا کیا ہے، اِن دو مواقع کے سوا کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے ان کو آسمان سے اُترتے ہوئے دیکھا اِس حال میں کہ اُن کی عظیم ہستی زمین و آسمان کے درمیان ساری فضا پر چھائی ہوئی تھی"۔

ابن مَرْدُوْيَہ نے مسروق کی اِس روایت کو جن الفاظ میں نقل کیا ہے وہ یہ ہیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا "سب سے پہلے میں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا تھا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ حضورؐ نے جواب دیا نہیں، میں نے تو جبریلؑ کو آسمان سے اُترتے دیکھا تھا"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایات | بخاری، کتاب التفسیر، مسلم، کتاب الایمان اور ترمذی، ابواب التفسیر

میں زِرّ بن حُبیش کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کی تفسیر یہ بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو اس صورت میں دیکھا کہ اُن کے چھ سو بازو تھے۔ مسلم کی دوسری روایت میں مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى، اور لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى کی بھی یہی تفسیر زِرّ بن حبیش نے عبداللہؓ بن مسعود سے نقل کی ہے۔

مُسند احمد میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ تفسیر زِرّ بن حُبیش کے علاوہ عبدالرحمٰن بن یزید اور ابو وائل کے واسطے سے بھی منقول ہوئی ہے۔ اور مزید برآں مُسند احمد میں زِرّ بن حُبیش کی دو روایتیں اور نقل ہوئی ہیں جن میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَاَيْتُ جِبْرِيلَ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عَلَيْهِ سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جبریلؑ کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا، اُن کے چھ سو بازو تھے۔" اسی مضمون کی روایت امام احمد نے شقیق بن سَلَمہ سے نقل کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی زبان سے یہ سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا تھا کہ میں نے جبریل علیہ السلام کو اس صورت میں سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھا تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت

حضرت ابوہریرہؓ سے عطاء بن ابی رباح نے آیت لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى کا مطلب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ رَاٰى جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ "حضورؐ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا" (مسلم کتاب الایمان)۔

حضرت ابوذرؓ کی روایات

حضرت ابوذر غفاری سے عبداللہ بن شقیق کی دو روایتیں امام مسلم نے کتاب الایمان میں نقل کی ہیں۔ ایک روایت میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟" حضورؐ نے جواب دیا "نُورٌ اَنّٰى اَرَاهُ"۔ اور دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ میرے اس سوال کا جواب آپ نے یہ دیا کہ "رَاَيْتُ نُورًا"۔ حضورؐ کے پہلے ارشاد کا مطلب ابن القیم نے زاد المعاد میں یہ بیان کیا ہے کہ "میرے اور رویتِ رب کے درمیان نور حائل تھا" اور دوسرے ارشاد کا مطلب وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ "میں نے اپنے رب کو نہیں بلکہ بس ایک نور دیکھا"۔

نسائی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابوذرؓ کا قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے اپنے رب کو دل سے دیکھا تھا: آنکھوں سے نہیں دیکھا۔"

حضرت ابو موسیٰ اشعری روایت حضرت ابو موسیٰؓ اشعری سے امام مسلم کتاب الایمان میں یہ روایت لائے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ما انتھی الیہ بصر من خلقہ ۔" اللہ تعالیٰ تک اس کی مخلوق میں سے کسی کی نگاہ نہیں پہنچی۔"

حضرت عبداللہؓ بن عباس کی روایات مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى اور وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى کا مطلب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ اپنے دل سے دیکھا۔ یہ روایت مُسند احمد میں بھی ہے۔

ابن مَرْدُوْیَہ نے عطاء بن ابی رَباح کے حوالہ سے ابن عبّاس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے نہیں بلکہ دل سے دیکھا تھا۔

نسائی میں عکرِمہ کی روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا: اتعجبون ان تکون الخلّۃ لابراھیم والکلام لموسیٰ والرؤیۃ لمحمد ؟ "کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے خلیل بنایا، موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے سرفراز کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت کا شرف بخشا؟" حاکم نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ترمذی میں شعبی کی روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے ایک مجلس میں فرمایا" اللہ نے اپنی رویت اور اپنے کلام کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام سے اس نے دو مرتبہ کلام کیا، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ اس کو دیکھا"۔ ابن عباسؓ کی اسی گفتگو کو سن کر مسروق حضرت عائشہ رضؓ کے پاس گئے تھے اور ان سے پوچھا تھا "کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟" انہوں نے فرمایا" تم نے وہ بات کہی ہے جسے سن کر میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔" اس کے بعد حضرت عائشہؓ اور مسروق کے درمیان وہ گفتگو ہوئی جسے ہم اوپر حضرت عائشہؓ کی روایات میں نقل کر آئے ہیں۔

ترمذی ہی میں دوسری روایات جو ابن عباسؓ سے منقول ہوئی ہیں ان میں سے ایک میں وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا۔ دوسری میں فرماتے ہیں دو مرتبہ دیکھا تھا۔ اور تیسری میں ان کا ارشاد یہ ہے کہ آپ نے اللہ کو دل سے دیکھا تھا۔

مُسند احمد میں ابن عباسؓ کی ایک روایت یہ ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأیت ربی تبارک و تعالیٰ ۔ "میں نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا"۔ دوسری روایت میں وہ کہتے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتانی ربی اللیلۃ فی احسن صورۃ، احسبہ یعنی فی النوم ۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج میرا رب بہترین صورت میں میرے پاس آیا ۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضورؐ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ خواب میں آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا"۔

طبرانی اور ابن مردُویہ نے ابن عباسؓ سے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا، ایک مرتبہ آنکھوں سے اور دوسری مرتبہ دل سے۔

محمد بن کعب القرظی کی روایت محمد بن کعب القرظی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہؓ نے پوچھا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ حضورؐ نے جواب دیا "میں نے اس کو دو مرتبہ اپنے دل سے دیکھا"۔ (ابن ابی حاتم)۔ اس روایت کو ابن جریر نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا "میں نے اُس کو آنکھ سے نہیں بلکہ دل سے دو مرتبہ دیکھا ہے"۔

حضرت انسؓ کی روایت حضرت انس بن مالک کی ایک روایت جو قصۂ معراج کے سلسلے میں شریک بن عبداللہ کے حوالہ سے امام بخاری نے کتاب التوحید میں نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ آتے ہیں حتی جاء سدرۃ المنتھی ودنی الجبار رب العزۃ فتدلی حتی کان منہ قاب قوسین او ادنی فاوحی اللہ فیما اوحی الیہ خمسین صلوٰۃ ۔ یعنی "جب آپ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو اللہ رب العزت آپ کے قریب آیا اور آپ کے اُوپر معلق ہو گیا یہاں تک کہ آپ کے اور اس کے درمیان بقدر دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا، پھر اللہ نے آپ پر جو اُمور وحی فرمائے ان میں سے ایک پچاس نمازوں کا حکم تھا"۔ لیکن علاوہ اُن اعتراضات کے جو اس روایت کی سند اور مضمون پر امام خطابی، حافظ ابن حجرؒ، ابن حزم اور حافظ عبدالحق صاحبُ الجمع بین الصحیحین نے کیے ہیں، سب سے بڑا اعتراض اس پر یہ وارد ہوتا ہے کہ یہ صریح قرآن کے خلاف پڑتی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید دو الگ الگ رویتوں کا ذکر کرتا ہے جن میں سے ایک ابتداءً اُفُقِ اعلیٰ پر ہوئی تھی اور پھر اس میں دَنیٰ فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کا معاملہ پیش آیا تھا، اور دوسری سدرۃ المنتہیٰ کے پاس واقع ہوئی تھی۔ لیکن یہ روایت ان دونوں رویتوں کو خلط ملط کر کے ایک رویت بنا دیتی ہے، اس لیے قرآن مجید سے متعارض

ہونے کی بنا پر اس کو تو کسی طرح قبول ہی نہیں کیا جا سکتا۔

اب رہیں وہ دوسری روایات جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں، تو ان میں سب سے زیادہ وزنی روایتیں وہ ہیں جو حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور حضرت عائشہؓ سے منقول ہوئی ہیں۔ کیونکہ ان دونوں نے بالاتفاق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا ہے کہ ان دونوں مواقع پر آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں بلکہ جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا، اور یہ روایات قرآن مجید کی تصریحات اور اشارات سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہیں۔ مزید برآں اُن کی تائید حضورؐ کے اُن ارشادات سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابوذرؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ اشعری نے آپ سے نقل کیے ہیں۔ اس کے برعکس حضرت عبداللہؓ بن عباس سے جو روایات کتبِ حدیث میں منقول ہوئی ہیں ان میں سخت اضطراب پایا جاتا ہے۔ کسی میں وہ دونوں رویتوں کو عینی کہتے ہیں، کسی میں دونوں کو قلبی قرار دیتے ہیں، کسی میں ایک کو عینی اور دوسری کو قلبی بتاتے ہیں، اور کسی میں عینی رویت کی صاف صاف نفی کر دیتے ہیں۔ ان میں سے کوئی روایت بھی ایسی نہیں ہے جس میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کوئی ارشاد نقل کر رہے ہوں۔ اور جہاں اُنہوں نے خود حضورؐ کا ارشاد نقل کیا ہے، وہاں اوّل تو قرآن مجید کی بیان کردہ اِن دونوں رویتوں میں سے کسی کا بھی ذکر نہیں ہے، اور مزید برآں ان کی ایک روایت کی تشریح دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضورؐ نے کسی وقت بحالتِ بیداری نہیں بلکہ خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا۔ اس لیے درحقیقت ان آیات کی تفسیر میں حضرت عبداللہؓ بن عباس سے منسوب روایات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح محمد بن کعبؒ القرظی کی روایات بھی اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کرتی ہیں، لیکن ان میں اُن صحابہؓ کرام کے ناموں کی کوئی تصریح نہیں ہے جنہوں نے حضورؐ سے یہ بات سُنی۔ نیز ان میں سے ایک میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضورؐ نے عینی رویت کی صاف صاف نفی فرما دی تھی۔ (باقی)

تصحیح مزید

ترجمان القرآن کی گذشتہ اشاعت میں تفہیم القرآن، جلد ششم کی جس عبارت کی اصلاح کرنے کے لیے لکھا گیا تھا، غلطی سے اس میں صفحہ کا نمبر چھوٹ گیا۔ وہ عبارت جلد ششم کے صفحہ ۲۵۳، حاشیہ ایک سطر ۹ میں ہے۔